مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں، نام نہاد فرقہ بندیوں کا ذکر کر کے کسی نئے فرقہ کی بنیاد قائم کرنے کا ادہر کچھ دنوں سے عام دستور ہو گیا ہے ماتم کرنے والے پہلے امت مرحومہ کے اس خود تراشیدہ انتشار وتشتت کا مرثیہ پڑھتے ہیں اور اپنی ان ہی سینہ کوبیوں، نوحہ خوانیوں کے ہنگاموں میں ماتم سراؤں کا یہ گروہ شعوری یا غیر شعوری طور پر چاہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے پھاڑ کر کسی ٹولی یا ٹکڑی کو اپنے اوپر جمع کر لے۔ بظاہر ان لوگوں کا حال حیدر آباد کے اس امیر کا سا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ دشنام طرازی اور گالیوں کے بکنے کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کسی نے ان ہی امیر صاحب کی شکایت وقت کے انگریزی ریزیڈنٹ سے کی، ریزیڈنٹ نے امیر صاحب کو بلایا، اور پوچھا کہ آپ لوگوں کو سنتا ہوں کہ گالیاں دیا کرتے ہیں۔ آپ کی یہ عادت اچھی نہیں ہے، امیر صاحب آگ بگولا ہو گئے اور طیش میں آکر ریزیڈنٹ کے سامنے فرمائشی گالیوں کے ساتھ چغلی کھانے والے کی تکذیب کرنے لگے، کہہ رہے تھے کہ کس ... ایسے تیسے نے آپ تک یہ بات پہنچائی ریزیڈنٹ مسکرانے لگا کہ آپ خود میرے سامنے بھی تو اسی کا اعادہ فرما رہے ہیں، جس کا انتساب چغل خور نے آپ کی طرف کیا تھا،

خود ایک نئے فرقہ کو مسلمانوں میں بڑھا دینے کیلئے فرقہ بندیوں پر لعنت و ملامت کرنے والوں سے کون پوچھے کہ جس حرکت کا ارتکاب تم خود کر رہے ہو، اسی پر تمہارا یہ لعن وطعن کس حد تک درست ہو سکتا ہے[1]

اس حال کو دیکھ کر خاکسار نے متعدد مضامین اور کتابوں میں اصل حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے حالانکہ بار بار لکھا کہ کرۂ زمین کی اتنی طویل و عریض امت جس کی تعداد اب نہیں تو نصف ارب سے یقیناً

---

[1] ایک جھگڑالوی یا نام نہاد اہل قرآن فرقہ سے تعلق رکھنے والے صاحب کے مضمون کو پڑھ کر یہ مضمون لکھا گیا ہے ۱۲

زیادہ ہوچکی ہے اور ایشیا، افریقہ کے سوا، یورپ کے بعض دور دراز علاقوں تک پھیلی ہوئی ہے، اس میں زبانوں ہی کے حساب سے دیکھا جائے تو سینکڑوں زبانوں کی بولنے والی قومیں شریک ہیں یہی حال نسلوں کا ہے۔ شاید ہی آدم کی اولاد کی کوئی قابل ذکر نسل ایسی باقی ہوگی، جس کے افراد "امت اسلامیہ" کے اس وسیع دائرے میں شریک نہیں ہیں۔ ان میں سامی، آریائی، تورانی نسلوں کے گورے کالے، لال، پیلے سب ہی رنگ کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

لیکن ان باتوں کے باوجود نصف ارب سے زیادہ تعداد والی اس امت میں اگر دیکھا جائے تو دس بیس نہیں واقعہ یہ ہے، تین چار فرقوں سے زیادہ ایسے گروہ نہیں مل سکتے، جن کے اختلاف و تفرق کو واقعی اختلاف وتفرق قرار دیا جاسکتا ہے سب سے بڑا طبقہ ان لوگوں کا ہے جنہیں اہل السنت والجماعت یا سنی مسلمان کہتے ہیں، ان کے بعد دوسرا طبقہ شیعوں کا ہے اور جی چاہے تو مسقط و عمان جیسے ساحلی علاقوں، یا افریقہ کے بعض دور دست خطوں میں رہنے والے خوارج یا خارجی مسلمانوں کو بھی مسلمانوں کے تیسرے فرقے کی حیثیت سے شمار کرلیجئے حالانکہ جہاں کروروں کی بات ہورہی ہو وہیں خارجی مسلمان جن کی تعداد جہاں تک میرا خیال ہے لاکھ ڈیڑھ لاکھ سے بھی بمشکل متجاوز ہوسکتی ہے ان کا شمار کرنا تمسخر کے سوا کچھ اور بھی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ لے دے کر یہی سنی اور شیعہ دو فرقے مسلمانوں میں ایسے ضرور ہیں، جنہیں اس سلسلہ میں واقعی اہمیت حاصل ہے، ان دونوں فرقوں کے اختلافات یقیناً ایسے اختلافات ہیں جن ک مذا، رکسی مذہبی امت کا ایک فرقہ دوسرے فرقہ سے جدا ہوسکتا ہے لیکن اہل السنت والجماعت ت کا مقابلہ اگر شیعہ فرقہ کے مسلمانوں کی تعداد سے کیا جائے تو گو خوارج کی طرح ان کو صفر قرار دینا حقائق و واقعات کی تکذیب ہوگی لیکن ساٹھ اور ستر کروڑ کے درمیان مسلمانوں کی جو تعداد ہے اس میں سے بمشکل چند کرور کو الگ کردینے کے بعد باقی صرف سنی مسلمان رہ جاتے ہیں۔ میں صحیح طور پر شیعہ طبقہ کے مسلمانوں کی تعداد بتا نہیں سکتا لیکن جن جن ممالک میں شیعہ طبقہ کے لوگ آباد ہیں ہم ان سے بھی واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ایران کے سوا اسلامی ممالک میں شاید ہزاروں میں

ایک سے زیادہ ثابت ہونا ان کا آسان نہیں ہے سچ تو یہ ہے کہ دوسرے ادیان ومذاہب کے مقابلہ میں منجملہ دوسری خصوصیتوں کے اسلام کی یہ بھی گویا ایک اعجازی خصوصیت ہے کہ جہاں غیر اسلامی اقوام میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک ایک مذہب ایک ایک دین کے ماننے والوں میں سینکڑوں فرقے پائے جاتے ہیں اور کیسے فرقے؟ کہ ان کے معبودوں تک میں اتفاق نہیں اور تو اور گویا خدا پر بھی وہ متحد نہیں ہیں آپ قوموں کا جائزہ اس نقطۂ نظر سے لیجئے، کتابوں میں پڑھئے یا گھوم پھر کر دریافت کیجئے تو آپ مبہوت ہو کر رہ جائیں گے کہ مذہب کی بنیاد پر جہاں ایک ایک قوم اتنی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے۔ وہیں دو دو یا زیادہ سے زیادہ تین فرقوں میں مسلمانوں کے دینی اختلافات منحصر ہو کر رہ گئے ہیں۔

مغالطہ دراصل لوگوں کو ان کتابوں سے ہو جاتا ہے، جو "ملل ونحل" کے عنوان پر مسلمانوں کے ہاں وقتاً فوقتاً لکھی جاتی رہی ہیں یعنی دینی فرقوں اور طبقوں کے حالات جن میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کتابوں میں یہ درست ہے کہ غیروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مذہبی فرقوں اور پارٹیوں کی کافی بڑی لمبی چوڑی طویل الذیل فہرست پائی جاتی ہے لیکن جو کچھ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ کاش اس کی زحمت بھی اسی کے ساتھ اٹھائی جاتی کہ اس مکتوبہ فہرست کو واقعات کی دنیا پر منطبق کر کے دیکھا جاتا کتابوں میں بے شک مسلمانوں کے ان نت نئے بھانت بھانت فرقوں کا ذکر ضرور پایا جاتا ہے لیکن ان فرقوں کا اور ان کے طرح طرح کے ناموں کا وجود دنیا میں باقی رہا ہے؟ اس کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں ہوتی۔ ورنہ ان پر واضح ہوتا کہ کتابوں کے سوا اب ان کا کہیں پتہ نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پہلے تو سیاسی اختلافات نے کچھ مذہبی رنگ اختیار کر لیا تھا اور ان ہی سیاسی اختلافات کی بنیاد پر کچھ پارٹیاں مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھیں جو واقع میں تو تھیں سیاسی پارٹیاں لیکن اس زمانہ کے خاص مذاق اور ماحول نے ان سیاسی پارٹیوں کو مذہبی فرقوں کے قالب میں ڈھال دیا تھا۔

ان سیاسی اختلافات کی ابتدا سچ پوچھئے تو اس مسئلہ سے ہوئی کہ ایک طرف مسلمانوں میں ایک گروہ ان لوگوں کا پیدا ہو گیا جن کے نزدیک اسلام کا سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ

اقدم عنصر "سیاست" تھا، شہرستانی کے الفاظ میں ان کا خیال تھا کہ

ماکان فی الدین والاسلام امر اهم من تعیین الامام، حتی تکون مفارقة الدنیا علی فراغ من امر الامة صـ۱۵۹ ج ۱

دین اور اسلام میں اس سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں ہے کہ امام یعنی مسلمانوں پر حکمرانی کی باگ جس کے سپرد ہو، اسی کو متعین کر دیا جاتے تاکہ دنیا سے جاتے ہوئے امت کے متعلق پیغمبر کے دل میں کسی قسم کی تشویش باقی نہ رہے اور اطمینان کے ساتھ دنیا کو چھوڑیں

سیاست کی اسی غیر معمولی اہمیت کے احساس نے ان میں بعضوں کے اندر یہ خیال بھی پیدا کر دیا تھا جیسا کہ شہرستانی ہی نے لکھا ہے کہ۔

الدین امران معرفة الامام واداء الامانة

امام کا (جو حکومت کی تنظیم کرے) اس کا پالینا اور امانت کا ادا کرنا بس ان ہی دونوں چیزوں کا نام دین ہے

مطلب گویا ان کا یہ تھا کہ حکومت کی تنظیم اور باشندوں میں اس احساس کا پیدا کر دینا کہ باہم ہر ایک دوسرے کا امین ہے اور یوں دھوکہ فریب وغیرہ کے عیوب سے ملک جب پاک ہو جاتے تو مذہب کا مقصد پورا ہو گیا، بغیر کسی پس وپیش کے وہی کیا کرتے تھے۔، شہرستانی نے نقل کیا ہے کہ

"حکومت کی تنظیم اور احساس امانت کو بیدار کر لینے میں کامیاب ہو جانے کے بعد پھر کسی قسم کا کوئی شرعی مطالبہ باقی نہیں رہتا۔" صـ۱۵۹ جـ۱

ان ہی میں بعض ایسے بھی تھے جو امانت والی قید کو بھی حذف کر دیتے تھے اور مدعی تھے کہ

الدین معرفة الامام فقط

دین صرف امام (حکومت کی تنظیمی قوت کے نمائندے) کا پالینا ہے۔

ن کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں بعضوں نے یہ پھیلانا بھی شروع کیا کہ

ان الدنیا لا تفنی

دنیا کا موجودہ نظام کبھی فنا نہ ہوگا۔

اور کہتے تھے کہ مذاہب وادیان میں جنت و دوزخ وغیرہ کے الفاظ اور اصطلاحیں جو پائی جاتی

ہیں ان کا مطلب بقول شہرستانی ان کے نزدیک یہ تھا کہ

الجنة هي التي تصيب الناس من خير ونعمة وعافية وان النار هي التي تصيب الناس من شر ومشقة وبلية

(الملل والنحل، شہرستانی ص ۱۶ ج ۲)

لوگوں کو دنیا میں جو بھلائیاں میسر آتی ہیں اور جو نعمتیں ملتی ہیں، سکھ اور راحت کی زندگی کے پا لینے میں کامیابی بس اسی کا نام جنت ہے اور برائیاں، سختیاں، مصائب جنہیں دنیا میں لوگ جھیلتے ہیں بس یہی جہنم ہے۔

مقصد ان لوگوں کا یہی تھا کہ اچھی حکومت میں باشندوں کو امن و امان کی وجہ سے جن راحتوں اور نعمتوں سے لذت اندوز ہونے کا موقعہ ملتا ہے مذاہب نے سکھ کی اسی زندگی کا نام جنت رکھ دیا ہے اور حکومت کی بد انتظامی کی وجہ سے جن مصائب و آلام بے چینی اور بد امنی کے شکار لوگ ہو جاتے ہیں اسی کی تعبیر مذاہب میں جہنم سے کی گئی ہے،

قریب قریب، یہ اسی قسم کی بات ہے جو اس زمانے میں بعضوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہے کہ فتوحات کی وجہ سے دجلہ و فرات، نیل اور گنگا کی جن نہروں اور دریاؤں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے والا تھا، اور بڑے زرخیز زرریز یعنی طویل ممالک مسخر ہونے والے تھے. قرآن میں مسلمانوں سے ان ہی چیزوں کا وعدہ کیا گیا تھا اسی کی تعبیر جنت سے کی گئی تھی اور ان ہی چیزوں سے محروم ہو جانے کے بعد جن حالات میں مسلمان مبتلا ہونے والے تھے ان کو قرآن نے جہنم کے لفظ سے ادا کیا تھا،

اور یہ تو گویا ان کے اعتدال پسندوں کا خیال تھا، لیکن حدود سے تجاوز کرتے ہوئے اسی سلسلہ میں کچھ لوگ اسی طبقہ میں جو "سیاست" ہی کو اسلام کا سب کچھ قرار دیتے تھے اس حد تک ترقی کر کے پہنچ گئے تھے کہ حکومت کو بہترین شکلوں میں منظم کرنے والی قوت کو جنت اور اچھی حکومت کے قائم کرنے والی قوت سے مزاحمت کرنے والوں کو جہنم کے نام سے قرآن میں موسوم کیا گیا ہے شہرستانی کے بجنسہ الفاظ ان کے اس خیال کے متعلق یہ ہیں کہ

ان الجنة رجل امرنا بموالاته وهو امام الوقت وان النار رجل امرنا بمعاداته

جنت اس شخصیت کی تعبیر ہے جس کی نسبت ہمیں حکم دیا گیا ہے یعنی وقت کا امام (حکمراں) اور اسی

وھو خصم الامام   حکمراں کے دشمن کا نام دوزخ ہے جس کی مخالفت کا ہمیں

ص ۱۱۵ ج ۱   حکم دیا گیا ہے۔

ان کے نزدیک نماز روزہ والا اسلام ایک عامیانہ دھرم سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا اسی بنیاد پر ان میں کہنے والے کبھی کبھی یہ بھی کہتے، شہرستانی نے تصریح کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ

"فرائض (مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) وغیرہ سے مطلب یہ ہے کہ ان قوتوں کے آگے بڑھانے میں ہم اپنی توانائیوں کو خرچ کریں جن کی پشت پناہی حکومت کے صحیح نمائندے یعنی امام کے لئے ضروری ہے اور محرمات یعنی جو باتیں مذہب میں حرام اور ناجائز ہیں۔ ان سے مقصد یہ ہے کہ اس راہ میں جن کی مخالفت ضروری ہے ان سے ہم کنارہ کش رہیں" ص ۱۵ ج ۲

حالانکہ عموماً اس گروہ کی اکثر ٹولیوں کا خیال یہی تھا کہ اپنے بعد پیغمبر نے اسلامی حکومت کے نظام کو قائم رکھنے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نامزد کر دیا تھا لیکن سیاست ہی دین کی اصلی روح ہے اس خیال نے بعضوں میں اس قسم کے رجحانات بھی پیدا کر دئے تھے۔ جیسا کہ شہرستانی نے لکھا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابیوں پر کفر کا الزام لگاتے تھے حتیٰ کہ حضرت علی کو بھی نہیں بخشتے تھے۔ ان پر تنقید یہ کرتے تھے:

"اپنے جائز حق کے مطالبہ میں انھوں نے غفلت سے کام لیا، حالانکہ ان پر واجب تھا کہ کھل کر میدان میں آجاتے اور جو کام ان کے سپرد کیا گیا تھا، اس کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیتے" ص ۱۳ ج ۲

ان ہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن حزم نے لکھا ہے کہ گو فرقہ کے بانی کا خیال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بھی تھا لیکن بعد کو

افراد کا مسلک یہ ہو گیا تھا کہ عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد علی مرتد ہو نے کے بعد پھر مسلمان بن کر وہ میدان میں آ گئے اور تلوار ہاتھ میں سونت لی"

بصواب اسی موقعہ پر ابن حزم نے اسی گروہ کے بعض افراد کی طرف (العیاذ باللہ) دل چسپ کہئے یا دل دوز خبیث نظریہ بھی منسوب کیا ہے کہ

الذنب فی ذلک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ لم یبین الامر بیانا شافیا فعال الاشکال

صفحہ ۱۴۳ ابن حزم

قصور (سیاست) کے اس باب میں خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ مسئلہ کو انھوں نے اس طریقہ سے کھول کر بیان نہیں کیا جس سے دشواریاں حل ہو جائیں۔

گویا ان کا خیال تھا کہ عرب کے باشندوں نے جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنے باپ دادوں کے دین کو چھوڑ دیا تھا، اپنی جان اپنا مال سب آپ پر قربان کر رہے تھے - تو کوئی وجہ نہ تھی اگر اپنے بعد مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کے متعلق دوٹوک فیصلہ کی صورت میں جو کچھ آپ حکم دے دیتے لوگ اس سے سرتابی کرتے لیکن گومگو میں قصے کو رکھ کر بے ایمانوں کا یہ گروہ کہتا تھا کہ خود پیغمبر ہی کی طرف سے (العیاذ باللہ) کوتاہی ہوئی - بہرحال "حکومت ہی سب کچھ ہے" اور اس کے سوا جو کچھ ہے سب کی حیثیت صرف وسائل اور ذرائع کی ہے۔ اسی نقطۂ نظر کی بنیاد پر ان میں بطور فیصلہ کے یہ مانا جاتا تھا کہ جس وقت جس قسم کی بات سے کام نکلنے کی توقع ہو، اس کو ترک نہ کرنا چاہئے، شہرستانی نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے توقعات اپنے ماننے والوں کو دلاتے اور باور کراتے کہ ہمیں اس قسم کے فتوحات کی بشارتیں ملی ہیں، لیکن جب ان کا ظہور نہ ہوتا تو کہہ دیا کرتے کہ

"خدا نے اپنا فیصلہ بدل دیا"

یا کہتے کہ

"اب خدا کی مصلحت بدل گئی"

یا اس کا ارادہ بدل گیا"

اسی نظریہ کی تعبیر وہ "مسئلہ بدا" سے کرتے تھے، ان کے نزدیک سیاسی اغراض سے ہر قسم کی غلط بیانی مذہبا و دینا جائز بلکہ شاید واجب اور ضروری تھی۔

اسی نظریۂ اجمالی کی "تقیہ" تعبیر تھی - ایک اجمالی عنوان تھا جس کے نیچے وہ ساری باتیں درج تھیں جن پر آج کل عموماً یورپ کی سیاست کی بنیاد قائم ہے گویا یورپ کی سیاسی دلچسپیوں نے تو صرف ایک میکاولی کو پیدا کیا تھا، لیکن مسلمانوں میں "میکاولی" سے بہت پہلے "میکاولیوں" کا ایک گروہ ہی پیدا ہو گیا

11 | | 3531

تھا، اور اپنے خیال کی توثیق و تصدیق میں وہ قرآنی آیات پیش کیا کرتا تھا اور ٹھیک ان ہی لوگوں کے مقابلہ میں جن کے نزدیک سیاست کے سوا اسلام گویا اور کچھ نہ تھا ان ہی کے توڑ پر مسلمانوں ہی میں دوسرا طبقہ بھی نکل پڑا تھا، جن کا خیال تھا۔

لا یجب نصب الامام اصلاً — امام (ناظم حکومت) کے قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے

میر سید شریف جرجانی نے اس طبقہ کے اسی سیاسی نظریہ کا تذکرہ کر کے شرح مواقف میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ اپنے خیال کی تائید میں منجملہ اور باتوں کے وہ کہا کرتے تھے کہ

"کیا حق ہے کہ اپنے ہی جیسے آدمی کو آدمی پر حکمراں بنا دیا جائے اور خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہم کیوں مجبور کئے جائیں کہ دوسرے کے حکم کو مانیں"۔

اپنی تائید میں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ

"حکومت جب بھی قائم ہوگی بعضوں کے اغراض کے مطابق نہ ہوگی، خواہ مخواہ یہی لوگ مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں گے پھر بھڑکے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے"۔

وہ اس مشاہدے کو بھی پیش کرتے تھے کہ

"بادیہ اور صحرائی علاقوں کے باشندے کسی قسم کی حکومت کی تنظیم کے بغیر تاریخ کے نامعلوم زمانے سے زندگی بسر کرتے چلے آرہے ہیں اور اپنے مصالح و اغراض کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ کچھ اس قسم کا تعلق رکھتے ہیں کہ کوئی کسی پر زیادتی کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا"۔

لکھا ہے کہ ان ہی میں بعض کا سیاسی نظریہ یہ تھا کہ "امن کے زمانہ میں حکومت کی ضرورت نہیں البتہ ملک میں جب فساد و فتنہ پھوٹ پڑے تو اس کو دبانے کے لئے وقتی طور پر کسی قسم کی حکومت قائم کر لینی ہے" دوسرا گروہ کہتا تھا کہ نہیں امن ہی کے زمانہ میں تو حکومت کی ضرورت ہے کہ اس وقت ... بسر کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں لیکن فتنہ و فساد میں تو ہر ایک اپنے خیال میں مست ہو جاتا ہے ... حکومت قائم کرنے سے بجز نقصان کے اور کسی فائدے کی توقع نہ کرنی چاہیے۔

بہرحال افراط و تفریط کے ان دونوں سیاسی نظریوں کے درمیان تیسرا نظریہ قائم کیا گیا۔ شہرستانی نے

لکھا ہے۔

"حکومت کی ضرورت حق تعالیٰ کی معرفت اور توحید کے لئے ضروری نہیں ہے"

اور انصاف پسندوں نے یہ طے کر دیا تھا جیسا کہ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ

"قیام حکومت کی نوعیت مسلمانوں کے ان فرائض کی ہے جن کو فرض کفایہ کہتے ہیں، یعنی ہر ہر مسلمان سے انفرادی مطالبہ اس کا نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اجتماعی طور پر چاہئے کہ اس کام کو وہ پورا کریں" شرح مقاصد ص۲۷۱

علامہ تفتازانی نے اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ

"قیام حکومت چونکہ ایک عملی کاروبار ہے اس لئے عقائد سے اس مسئلہ کا تعلق نہیں ہے بلکہ فقہی احکام کے ذیل میں اس کو شمار کرنا چاہئے"

بہرحال اتنی بات تسلیم کر لی گئی کہ

"حدود اور سزاؤں کے لئے حقوق کے جھگڑوں کو چکانے کے لئے یتیموں اور بیواؤں کی نگرانی کے لئے اور اللہ کے کلمہ کو بلند رکھنے کے لئے حکومت کی ضرورت ہے"

خلاصہ یہ ہے کہ

یکون للمسلمین جماعۃ ولا یکون الامر فوضیٰ بلون الامامۃ ص۱۲۵ شہرستانی ج۲ — مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی تنظیم کے لئے حکومت کا قایم ہونا ناگزیر ہے تاکہ عوام میں منتشر اور غیر منظم ہو کر مسلمانوں کی زندگی نہ رہ جائے۔

یہ اور اسی قسم کے خیالات کو پیش کر کرکے چاہا گیا کہ سیاست کے مسئلہ میں غلو سے مسلمانوں کے جو طبقات کام لے رہے ہیں ان کو اعتدال کے نقطہ تک کھینچ کر لایا جائے اور مسلمانوں کی اکثریت نے اسی خیال کو تسلیم بھی کر لیا۔ لیکن "سیاست" ہی اسلام کا سب کچھ ہے" اس پر اصرار کرنے والوں کا اصرار باقی ہی رہا۔ ان لوگوں کی سمجھ ہی میں نہیں آسکتا تھا کہ "اسلام کا جو سب کچھ تھا" اسی کو غیر منفصل حال پر چھوڑ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کیسے تشریف لے جا سکتے تھے، اور خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی قطعی فیصلہ جیسا کہ ان لوگوں کا دل چاہتا تھا، کیا یا نہ کیا، لیکن کسی طرح یہ مشہور ہی کر دیا گیا کہ پیغمبر

صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی فیصلہ کر دیا تھا۔ شہرستانی نے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے۔

"ہو نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی مسلمانوں کو شتر بے مہار بے سروں کی فوج کی حالت میں چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے جاتے اور ہر مسلمان کے لئے موقع اس کا چھوڑ دیتے کہ جس کے جی میں آتے وہ اس مسئلہ میں رائے قائم کرے اور ہر ایک اپنی راہ پر چلا جائے"

ان کا بیان تھا کہ

"اختلافات اور جھگڑوں ہی کے مٹانے ہی کے لئے تو پیغمبر آئے تھے۔ ان کی بعثت کی غرض ہی یہ تھی کہ بکھرے لوگوں کو وحدت کے رشتہ میں منسلک کر دیں"

اسی لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ اسلام کی اسی "جوہری روح" کو ابہام و تذبذب کے حال میں چھوڑ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جاتے۔

مگر جب یہ سوال اٹھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فیصلہ کیا تھا تو جواب میں اختلافات کا طوفان برپا ہو گیا، ایک گروہ کہتا تھا کہ آپ نے شخص کو نام زد کر دیا تھا کہ مسلمانوں کی حکمرانی کی باگ میرے بعد وہی اپنے ہاتھ میں لے اور دوسرا گروہ مدعی ہوا کہ "شخص" تو نہیں البتہ قبیلہ کو آپ نے متعین کر دیا تھا کہ میرے بعد عرب کے فلاں قبیلہ والے سیاسی قیادت کا فرض مسلمانوں میں انجام دیں۔

کون سا قبیلہ؟ اس میں قریش۔ ہاشمی خاندان۔ عباسی خاندان۔ علوی خاندان۔ فاطمی خاندان سب ہی کے نام پیش ہوتے رہے،

اسی سلسلہ میں بعضوں کا خیال تھا کہ صرف عبدالمطلب کی اولاد مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق رکھتی ہے، ابن حزم نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی ساری اولاد کو حکومت کا دینی حق ان لوگوں کے نزدیک حاصل تھا

"الب اور عباس کے ساتھ کہتے تھے کہ ابولہب تک کی اولاد بھی اس حق کی جائز وارث اور مساوی حقدار ہے۔

اس سے بھی زیادہ دلچسپ سیاسی نظریہ ان کا تھا جنہوں نے دلائل سے ثابت کیا تھا کہ

لا تجوز الخلافۃ الا فی بنی امیۃ بن عبد — خلافت یعنی حکمرانی کا استحقاق امیہ بن عبد شمس کی اولاد

شمس ص ۳ ابن حزم کے سوا اور کسی کے لئے جائز ہی نہیں ہے۔

ابن حزم ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ

"مری نظر سے ایک ایسی کتاب بھی گذری ہے، جس کے مصنف عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے کوئی صاحب ہیں اس میں انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ابوبکر و عمر کی اولاد کے سوا حکمرانی کا استحقاق مسلمانوں میں کسی کو شرعاً حاصل نہیں" ص ۳ ابن حزم

باقی جو کہتے تھے کہ قبیلہ نہیں بلکہ خاص شخص کو اپنے بعد مسلمانوں پر حکمراں بننے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد کر دیا تھا، اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے ان لوگوں کا خیال تھا کہ علی کی حکومت قایم ہونے کے ساتھ ہی دنیا ہر قسم کی برائیوں سے پاک ہو جائے گی، اور انصاف و عدل سے بھر جائے گی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حکومت قایم بھی ہوئی، اور جیسا کہ معلوم ہے آپ کا سارا عہد خلافت مفاسد اور فتن ہی کے زمانے میں گذر گیا اور آپ کے بعد جو کچھ ہوا وہ ان لوگوں کے منشاء کے مطابق نہ تھا اس لئے ایک گروہ ان میں کھڑا ہو گیا جس نے سرے سے حضرت والا کی شہادت اور وفات ہی کا انکار کر دیا۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اس گروہ کا رئیس ابن سبا کہا کرتا تھا کہ

"ستر دفعہ بھی علی کا بھیجا یعنی دماغ مرے سامنے لایا جائے جب بھی میں ان کی موت کی تصدیق نہیں کر سکتا، وہ وفات ہی نہیں پا سکتے جب تک کہ دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر نہ دیں جیسے وہ جور اور ظلم سے بھر گئی ہے" ص ۱۳۰ ابن حزم

ان ہی لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

"بادل میں رہتے ہیں"

اور بادل ہی سے آواز دیں گے کہ فلاں مرے نامزدے کا لوگ ساتھ دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حیات کا نظریہ جب ایک دفعہ گھڑ لیا گیا تو پھر نہ پوچھئے کہ کیا کیا ہوا؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں جس کی طرف بھی امامت منسوب کی گئی۔ اور واقعی حکومت دنیا کی بزرگوں کو حاصل نہ ہو سکی تو تقریباً ہر ایک ہی کے متعلق یہی دعویٰ کیا گیا کہ

حی لا یموت ولا یموت حتی یخرج فیملأ الارض عدلا کما ملئت جورا — زندہ ہیں اور جب تک دنیا کو انصاف و عدل سے اس طرح نہ بھر دیں گے جیسے وہ ظلم سے بھر گئی ہے اس وقت تک وہ مر بھی نہیں سکتے۔

ابن حزم نے اس سلسلہ میں نام گنواتے ہوئے لکھا ہے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے نام سے جو مشہور ہیں اور مشہور سیاسی لیڈر مختار ثقفی آپ کے اسم مبارک سے ناجائز نفع اٹھانے کی کوشش کرتا رہا، اس کے ماننے والوں کا خیال تھا کہ

محمد بن حنفیہ رضوی نامی پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں، ان کے داہنے جانب شیر اور بائیں پہلو میں ہمیشہ ایک چیتا آپ کی حفاظت کرتا رہتا ہے فرشتے آپ سے باتیں کرتے ہیں اور صبح و شام غیب سے آپ کے سامنے آسمانی خوان نازل ہوتا رہتا ہے اور دو چشمے ایک پانی کا اور ایک شہد کا اسی پہاڑ میں آپ کے لئے ابلتا رہتا ہے۔ شہرستانی ص۱۵۵۔

اسی طرح حسینی سادات میں سے محمد جو نفس زکیہ کے نام سے مشہور ہیں ان کو بھی معتقدوں کا ایک گروہ زندہ جاوید سمجھتا ہے۔ حالانکہ عباسی خلیفہ منصور کے زمانہ میں وہ مدینہ میں شہید ہو چکے تھے اسی فہرست میں یحییٰ بن عمر جو حسین علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور اسی گھرانے کے ایک بزرگ محمد بن قاسم جنہوں نے معتصم عباسی کے عہد میں طالقان کو مرکز بنا کر خروج کیا تھا، بارہ مشہور اماموں میں حضرت موسیٰ کاظم امام جعفر صادق ان کے صاحبزادے اسماعیل بن جعفر سب ہی کے متعلق ابن حزم نے لکھا ہے کہ ماننے والوں کا یہی خیال ہے کہ وہ زندہ ہیں اور جب تک دنیا کو عدل و انصاف سے نہ بھر یں گے زندہ رہیں گے۔

(باقی آئندہ)

یعنی سادات ہی کے ایک ہندی خانوادہ میں سے حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جہادی مہم پنجاب میں جو انجام دی اور بعض سرحدی پٹھانوں کی بے وفائی آپ کی شہادت کی وجہ ہوئی آپ سے ... ہی آپ کے عقیدت مندوں میں سے بعضوں کا زمانہ تک یہی خیال رہا کہ وہ زندہ ہیں اور واپس آ کر پھر اپنی مہم کی تکمیل فرمائیں گے ۱۲